تفسیری روایات کے چند قدیم ضعیف رواۃ اور اسکی استنادی حیثیت

Some "ضعیف" (weak) Commentators of Quran of the early ages and the nature of their referential authenticity

شبانہ نورین*

حسن آراء*

Abstract

Just after the sad demise of Prophet ﷺ, his companion's initiated using a very cautious behavior in writing the commentaries of "Quran". They would present only those commentaries of "Quran" which they would listen from the Prophet ﷺ either directly or indirectly; or they would have seen the circumstances of the revelation of a verse by themselves in person or that which would have dawned upon them by the way of a verdict and derivation. However, the commentators of the later eras did not take into consideration this cautiousness. Due to this very reason, all those Quran and Sunna's commentary related traditions reported from them, a great amount of weakness is found in the same. This weakness, causes a great defect in the comprehension of (religion). Consequently, the "ائمہ" of the critical study of the Hadith etc while criticizing it, have not only disclosed their weakness but rather they have added a term of "ضعیف" weak Hadith narrators and untrustworthy narrators in the Islamic literature. In this Article, a critical review of the sayings of the "ائمہ جرح وتعدیل" having deliberated on the authenticity of the references of the commentators of the early ages (of Islam), is being presented.

Key Words: Commentaries, Revelation, Verdict, Narrators.

تفسیر کی لغوی واصطلاحی مفہوم

لفظ ''تفسیرؒ'' دراصل ''فسرؒ'' سے نکلا ہے جس کے معنی ''کھولنے'' کے ہیں۔ چونکہ قرآن کریم کے مفہوم کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اس لئے اسے علم تفسیر کہتے ہیں۔[1] امام زرکشی نے البرھان فی علوم القرآن میں تفسیر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

*ایم فل لیڈنگ ٹو پی ایچ ڈی اسکالر شہید بینظیر بھٹو وومن یونیورسٹی پشاور، پاکستان

*ایم فل لیڈنگ ٹو پی ایچ ڈی اسکالر شہید بینظیر بھٹو وومن یونیورسٹی پشاور، پاکستان

''تفسیر ایک ایسا علم ہے جس کی مدد سے قرآن کریم کے مطالب و معانی معلوم کیے جاتے ہیں اور اس میں احکام و مسائل اور اسرار و حکم سے بحث کی جاتی ہے۔''[2]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيراً[3]

''وہ جو مثال بھی آپ کے پاس لائیں گے ہم اس کے عوض آپ کے پاس حق اور اس کی بہترین تفصیل لائیں گے۔''

لہذا تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں ایک مفسر اپنی بشری اسطاعت کی وسعت تک اس امر سے متعلق بحث کرتا ہے کہ الفاظ قرآنی سے اللہ تعالیٰ اور الفاظِ حدیث سے نبی کریم ﷺ کی کیا مراد ہے؟ اسی مناسبت سے وحید الزمان ''القاموس الوحید'' میں مفسر کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

''قرآن مجید کے علوم، اسرار اور احکام و مطالب کا علم رکھنے والے اور بیان کرنے والے ماہر کو مفسر کہا جاتا ہے۔''[4]

امام زرقانی تفسیر کی اصطلاحی تعریف یوں کرتے ہیں کہ:

والتفسير في الاصطلاح: علم يبحث فيه عن القرآن الكريم من حيث دلالته على مراد الله تعالى بقدر الطاقة البشرية.[5]

''اصطلاح میں یہ ایک ایسا علم ہے جس میں قرآن مجید سے، اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت کے حوالہ سے انسانی طاقت کے مطابق بحث کی جاتی ہے۔''

قرآن مجید اپنے ابدی پیغامات اور غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر ایمان والوں کے لیے شریعت کا پہلا ماخذ قرار پایا۔ قرآن مجید کی مکمل تعلیمات اور ہدایات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ ان تعلیمات و ہدایات کو اللہ رب العزت نے خود دو حصّوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ بعض آیات کو محکم اور بعض کو متشابہ بتایا۔ ارشاد باریٰ تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ[6]

''وہی ذات پاک ہے جس نے تجھ پر قرآن نازل فرمایا،اس میں بعض آیات محکم ہیں اور یہی کتاب کی جڑ ہیں۔اور دوسری آیات مختلف المعانی ہیں۔''

آیات محکمات کا تعلق احکام الٰہی،شریعت یا پھر انبیاء کے واقعات اور اقوام کے عبرت انگیز انجام سے آگاہی کرانا ہے جبکہ دوسری قسم کی آیات تشابہات ہیں جن کا تعلق انسان کے احساسات سے ہے،لہذا ان دونوں طرح کی آیات کے افہام و تفہیم کے لیے اہل فن نے علم تفسیر متعارف کروایا۔جس کے ذریعے کلام الٰہی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔علم تفسیر کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے غلام احمد حریری صاحب رقمطراز ہے کہ:

''افراد وامم کی ترقی کا راز قرآنی تعلیمات کی پیروی اور اس کی حکیمانہ نظم وتربیت میں مضمر ہے۔قرآن مجید بنی نوع انسان کے فلاح واصلاح کے جملہ اجزاء وعناصر پر مشتمل ہے۔یہ ایک بدیہی امر ہے کہ قرآنی تعلیمات کی تعمیل قرآن کے فہم وتدبر کے بعد ہی ممکن ہے،قرآن حکیم جس رشد وہدایت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے،اس کا معجزانہ اسلوب بیان جن حکمتوں کا جامع ہے،جب تک ان سے آگاہی حاصل نہ کی جائے تب تک اس کی پیروی کا کوئی امکان نہیں۔یہ اسی صورت ممکن ہے کہ ہم قرآن کے معانی ومطالب کو سمجھنے کی کوشش کریں،علم تفسیر اسی سلسلہ میں معاون ومددگار ثابت ہوتا ہے۔''[7]

علم تفیسر کی اسی اہمیت کی بناپر ذیل میں ہم قرون اولیٰ کے چند مشہور ضعیف مفسرین کا ذکر کر رہے ہیں جن کی روایات بالعموم تفسیری لٹریچر میں ملتی ہیں۔

مقاتل بن سلیمان

آپ کا پورا نام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان بن بشیر البلخی ہے۔آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے۔جن سے آپ روایت کرتے تھے ان میں مجاہد بن جبیر المکی،ضحاک بن مزاحم،عطاء بن ابی

رباح، محمد بن سیرین، نافع بن مولیٰ ابن عمر اور عمرو بن شعیب شامل ہیں۔ جبکہ آپ سے روایات اخذ کرنے والوں میں سعد بن الصلت، عبدالرزاق بن ھمام، حرمی بن عمارہ اور بقیہ بن الولید شامل تھے۔ آپ نے بصرہ میں 150 ہجری میں وفات پائی۔[8]

تاریخ میں دو اشخاص مقاتل کے نام سے مشہور و معروف ہیں اور دونوں ہی بلخ شہر کے باشندے تھے۔ ہم عصر ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں ایک جیسے اساتذہ سے روایات اخذ کرتے تھے۔ ان میں مقاتل بن حیان کا شمار جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے لیکن تفاسیر میں ان کا حوالہ بہت کم ملتا ہے۔[9] البتہ کتبِ تفاسیر میں صرف مقاتل سے مراد ''مقاتل بن سلیمان'' ہی لیا جاتا ہے۔ کیوں کہ بحیثیت مفسر مقاتل بن سلیمان ہی مشہور و معروف ہے۔ چند علماء نے ان کی مدح بیان کی ہے جبکہ اکثر محدثین نے ان کو ناقابل اعتبار اور مجروح بتایا ہے۔

بنابریں مقاتل بن سلیمان عقائد کے اعتبار سے فرقہ مجسمیہ[10] کے قائل تھے۔ عباس بن معصب مروزی کے مطابق مقاتل بن سلیمان کا تعلق بلخ شہر سے تھا لیکن بعد میں شہر مرو منتقل ہو گیے تھے۔ جہاں جامع مسجد میں قصّہ گوئی کرتے اور یہی پر ہی آپ کے اور فرقہ جہمیہ کے بانی جہم بن صفوان کے درمیان بحث و مباحثے ہوا کرتے تھے۔ جس کے نتیجے میں ایک دوسرے کے خلاف کتب لکھنی شروع کی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> ''ہمارے یہاں مشرق کی جانب دو بڑے گھناؤنے نظریات گھس گیے ہیں، ایک جہم (کا نظریہ) جو معطلہ میں سے تھا اور ایک مقاتل (کا نظریہ) جو مشبہ میں سے تھا۔ امام ابو حنیفہ مزید فرماتے ہیں کہ جہم نے نفی (صفات) میں غلو سے کام لیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو کالعدم بنادیا۔ اور مقاتل نے اثبات (صفات) میں غلو کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوقات کے مشابہ قرار دیا۔[11]

اب ہم مقاتل بن سلیمان سے متعلق ائمہ فن (ماہرینِ جرح و تعدیل) کے اقوال کا جائزہ لیتے ہیں:

ائمہ فن (محدث)	راوی کے بارے میں رائے
ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ:	وہ یہود و نصاریٰ سے قرآن کا علم حاصل کرتے تھے جو ان کی

	کتابوں کے موافق ہے۔[12]
ابن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:	أصحاب الحديث يتقون حديثه وينكرونه[13] ''علماء حدیث ان کی حدیث سے بچتے ہیں اور اسے منکر سمجھتے ہیں۔''
بقول امام بخاری رحمہ اللہ	لا شئ البتة[14] ''وہ ہرگز کوئی شئے نہیں۔''
''ابن حجر'' مقاتل بن سلیمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ:	كذبوه وهجروه ورمى بالتجسيم[15] ''علماء نے ان کی تکذیب کی ہے اور ان کی روایات کو چھوڑ دیا ہے،اور ان پر فرقہ مجسمیہ میں ہونے کا الزام بھی ہے۔''

عطیہ بن سعد بن جنادۃ

آپ کا پورا نام ''ابوالحسن بن سعد بن جنادہ العوفی الجدلی (متوفی ۱۱۱ھ)'' تھا۔آپ کا تعلق جدیلا قیس سے تھا۔ابوالحسن ان کی کنیت تھی۔سعد بن جنادہ آپ کے والد کا نام تھا اور والدہ ام ولد[16] تھی۔آپ کے وجہ تسمیہ سے متعلق مشہور ہے کہ آپ کی پیدائش پر آپ کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے امیر المؤمنین میرا لڑکا پیدا ہوا ہے۔اس کا نام رکھیے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اس کا نام بھی ''عطیہ'' رکھو۔[17]

مشہور تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔لیکن آپ ضعیف الاحادیث تھے کیونکہ آپ کی احادیث میں ضعف پایا جاتا تھا۔آپ شیعہ فرقہ کے حامی تھے۔آپ جن سے روایات اخذ کرتے تھے ان میں ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ،ابوسعید اور ابن عمر شامل تھے۔جبکہ ان سے روایت اخذ کرنے والوں میں ان کا بیٹا حسن،قرۃ بن خالد،زکریا بن ابی زائدہ،حجاج بن ارطاہ اور مسعر شامل تھے۔[18]

آپ کے متعلق ائمہ فن امام الذھبی کی رائے یوں ہے:

تَابِعِيّ مَشْهُور مجمع على ضعفه[19]

''مشہور تابعی ہے اور ان کے ضعف پر اجماع ہے۔''

علاوہ ازیں آپ پر درج ذیل اعتراضات تھے:

- آپ پر پہلا اعتراض یہ تھا کہ آپ سندِ روایات میں مغالطہ کا ارتکاب کرتے تھے۔ جس کی تفصیل ابن حبان یوں بتاتے ہیں کہ "عطیہ کلبی سے تفسیر سے متعلق سوالات کرتے تھے اور روایات بھی اخذ کیا کرتے تھے۔ لیکن کلبی ضعیف وبدنام تھے۔اس لیے کلبی کے لیے "ابو سعید" نام بطور کنیت اپنی طرف سے منتخب کر لیا اور جب کلبی سے کوئی روایت اخذ کرتے تو ان کے نام کے بجائے کنیت "ابو سعید" کی طرف منسوب کر دیتے۔ لیکن چونکہ عطیہ نے بعض احادیث مشہور صحابی "ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ" سے سنی تھیں۔ تو لہذا جو لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں تھے وہ سمجھتے کہ یہ روایت عطیہ نے صحابی رسول ﷺ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اخذ کی ہے۔ جبکہ حقیقت میں وہ روایت کلبی سے اخذ شدہ ہوتی تھی۔[20]
- دوسرا اعتراض آپ پر شعیہ فرقے کے حامی ہونے کا تھا۔
- تیسرا اعتراض آپ پر یہ تھا کہ آپ تدلیس کرتے تھے۔ علامہ ابن حجر ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

صدوق یخطئ کثیراً، کان شیعیا مدلساً[21]

"سچ بولنے والے ہیں مگر غلطیاں بہت کرتے ہیں، شعیہ تھے اور مدلس تھے۔"

ربیع بن انس

آپ کا پورا نام ربیع بن انس البکری (متوفی ۱۳۹) ہے بصرہ سے تعلق رکھتے تھے اس لیے بصری بھی ان کو کہا جاتا تھا اور قبیلہ بکر بن وائل سے تھے۔ حجاج بن یوسف سے بھاگ کر مرو کے ایک گاؤں "برز" میں سکونت پذیر ہوئے پھر سذور نامی گاؤں منتقل ہو جاتے ہیں۔ پھر خراسان منتقل ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے خراسانی کہلائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے ان کی ملاقات ہوئی تھی۔[22]

روایتِ احادیث آپ نے جن سے استفادہ کیا ان میں حضرت انس بن مالک، ابو العالیہ ریاحی اور حسن بصری شامل تھے۔ اور سلیمان تیمی، امام اعمش، الحسین بن واقد، ابو جعفر رازی، ابن مبارک، عبدالعزیز بن مسلم نے ربیع بن انس سے روایات اخذ کرتے تھے۔[23]

ربیع بن انسر مرو میں اپنے زمانے کے بڑے عالم تھے۔ان کی ملاقات محدث سفیان ثوری سے بھی ہوئی تھی۔ابو حاتم ان کو سچا کہتے ہیں۔ابن داؤد کہتے ہیں کہ مرو میں ابو مسلم نے ان کو ۳۰ سال تک قید رکھا تھا، اور اسی دوران ابن مبارک نے کسی طرح جیل تک رسائی حاصل کی اور ربیع بن انس سے احادیث روایت کی۔ابو جعفر منصور کے دور خلافت میں ۱۳۹ ہجری کو وفات پائی۔[24] ان کے متعلق ائمہ فن کی آراء کچھ یوں ہیں:

ائمہ فن (محدث)	راوی کے بارے میں رائے
ابن حجر عسقلانی کی رائے کے مطابق:	صدوق له اوهام رمی بالتشیع[25] "وہ سچ بولتے ہیں مگر ایک تو ان کو روایات میں وہم ہو جاتا ہے دوسرا یہ کہ ان پر تشیع کا الزام ہے۔
ائمہ فن یحیٰ بن معین کہتے ہیں کہ:	کان یتشیع فیفرط[26] "وہ شیعہ تھے اور تشیع میں افراط سے کام لیتے تھے۔"
امام ابو حاتم رحمہ اللہان کے بارے میں بتاتے ہیں کہ:	"صدوق یا لیس بہ بأس" کے ذریعے حسن کے درجے میں تسلیم کیا ہے۔[27]

ابوالنصر محمد بن السائب

ابوالنصر محمد بن السائب بن بشر بن عمرو بن عبدالحارث بن عبدالعزی الکلبی (متوفی ۱۴۶ھ) آپ کا پورا نام ہے۔کوفہ کے باشندے تھے اور قبیلہ بنو کلب سے تھے۔آپ کی کنیت ابوالنضر تھی۔[28] تفسیر کا عالم ہونے کے ساتھ شجرہ نسب کا علم بھی رکھتے تھے۔شعیہ فرقے کے حامی تھے ان پر جھوٹ کی تہمت (الزام) تھی۔[29] انہوں نے ۱۴۶ ہجری میں ابو جعفر کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔[30] ان پر بھی کچھ اعتراضات تھے۔سب سے بڑا اعتراض ان پر جھوٹی روایات بیان کرنے کا تھا۔تھذیب التھذیب میں معتمر بن سلیمان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

"کوفہ میں کذّاب تھے،ان میں سے ایک کلبی ہے۔"

حضرت سفیان ثوری رحمۃاللہ سے کلبی کی سند سے مروی ہے۔ جس کی وجہ سے بعض لوگ سمجھے کہ سفیان ثوری جیسے محدث اگر کلبی سے روایات اخذ کرتے ہیں تو کلبی بھی ثقہ ہی ہوں گے۔ابو حاتم رحمہ اللہ نے اس کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ "حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا مقصد کلبی سے روایات اخذ کرنا نہیں تھا، بلکہ بعض اوقات بطورِ تعجب مجلس میں ذکر کرتے جس پر بعض حاضرین نے ان روایات کو حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے نقل کر دیا کرتے تھے۔[31]

دوسرا اعتراض ان پر یہ تھا کہ کلبی انتہائی غالی شیعوں میں سے تھا۔ جبکہ مشہور محدث یزید بن زریع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کلبی کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ وہ سبائی ہے۔اور امام ابن حبان رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ کلبی سبائی فرقے سے تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جو کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ واپس دوبارہ دنیا میں آئیں گے ان کی وفات نہیں ہوئی ہے۔ دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اس وقت جب وہ ظلم سے بھری ہوئی ہو گی۔اس فرقے کے لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں: "امیر المؤمنین اس میں ہے۔"[32]

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم

آپ کا پورا نام عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم العدوی المدنی (متوفی ۱۸۲ھ) ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ محدثین کرام ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔آپ ہارون الرشید کے دور خلافت میں وفات پاتے ہیں۔[33]

عبدالرحمٰن بن زید قرآن وتفسیر کے عالم تھے۔ان میں نرمی زیادہ تھی،انھوں نے ناسخ ومنسوخ پر کتاب لکھی تھی اور قرآن پاک کی ایک جلد میں تفسیر کی۔[34] آپ احادیث میں ضعیف تھے۔[35] آپ نے جن سے روایات اخذ کی ان میں آپ کے والد اور ابن منکدر شامل تھے اور قتیبہ،ہشام بن عمار اور اٗصبغ بن الفرح عبداللہ بن زید سے روایات اخذ کرتے تھے۔[36] ان کے بارے میں ابن جوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

اجمعوا علی ضعفه[37]

"ان کے ضعف پر اجماع ہے۔"

جبکہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی ان کو ضعیف بتایا ہے۔[38]

نتائج بحث

قرآن کے مبہم احکامات کو سمجھنے اور عمل پیرا ہونے کے لیے علم تفسیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ابتدائی ادوار میں تفسیر کے سلسلے میں احتیاط کو ملحوظ رکھا جاتا تھا لیکن بعد کے ادوار میں اس احتیاط کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔اور متعدد ضعیف روایات شامل ہوتی گئی۔تفاسیر میں مذکورہ بالا مفسرین کے حوالے تفسیری روایات میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔اور بیشتر تفاسیر انہی کی روایات کے گرد گھومتی ہیں۔لہذا ان مفسرین کے احوال جان کر ان کی استنادی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔جو تفاسیر کے مطالعہ میں بصیرت کا سبب بنتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] وحید الزماں قاسمی کیرانوی، القاموس، ج:۲، ص:۱۱۰

[2] جلال الدین سیوطی، الاتقان، ج:۲، ص:۱۷۴

[3] القرآن، سورۃ الفرقان ۳۳

[4] وحید الزمان قاسمی کیرانوی، القاموس الوحید، مادہ: ف س ر، ج:۱، ص ۱۲۳۱۔

[5] الزرقانی، محمد عبد العظیم (المتوفی ۱۳۶۷ھ)، مناھل العرفان فی علوم القرآن، مطبعۃ عیسی البابی الحلبی وشرکاہ، ط/۲ سن نامعلوم، باب التفسیر، ج ۲، ص ۳۔

[6] القرآن، سورۃ آل عمران: 7

[7] حریری، غلام احمد، تاریخ تفسیر و مفسرین، ملک سنن پبلشرز کارخانہ بازار فیصل آباد، 2010ء، ص ۱۳۱۔

[8] الذهبی، محمد بن أحمد بن عثمان، سیئر أعلام النبلاء، تحقیق شعیب الأرنووط، موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۱۳ھ، رقم الترجمہ ۹۷، ج ۷، ص ۲۰۱

[9] بحوالہ بالا، ج ۶، ص ۳۴۱، رقم الترجمہ ۱۴۴۔

10اس فرقے کے حامی (پیروکار) صفاتِ باری تعالیٰ کو مخلوق کی صفات کے مثل قرار دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے ید (اعضاء) کے قائل ہیں۔

11ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، تہذیب التہذیب، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ، ج ۱۰، ص ۲۴۹، رقم الترجمہ ۵۰۳۔

12ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد، الثقات، تحقیق محمود ابراہیم، دار الوعی حلب، تاریخ طبع: نامعلوم، ج ۳، ص ۱۴۔

13ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد البصری، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت، ط/۱ ۱۴۱۰ھ۔ ۱۹۹۰م، ج ۷، ص ۳۴۳۔

14البخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم ابو عبد اللہ (۲۵۶ھ)، التاریخ الکبیر، تحقیق السید ہاشم الندوی، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد۔ الدکن، ط نامعلوم، رقم الترجمہ ۱۹۷۶، ج ۸، ص ۱۴

15عسقلانی، أبو الفضل بن علی بن أحمد بن حجر (المتوفی ۸۵۲ھ)، تقریب التہذیب، تحقیق محمد عوامۃ، دار الرشید۔ سوریا، ط/۱۴۰۶ھ۔ ۱۹۸۶م، رقم الترجمہ ۶۸۶۸، ج ۱، ص ۵۴۵۔

16اُمّ ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں جس سے مالک جنسی تعلق رکھ کر اولاد حاصل کرے۔ اسلام نے اُمّ ولد کو غیر معمولی حقوق دیئے جن میں ایک یہ حق بھی دیا کہ اُمّ ولد شوہر (مالک) کے وفات کے بعد آزاد قرار پاتی ہے، خواہ بچے کا اسقاط ہی ہوا ہو۔ اس کی آزادی اس حد تک مسلم ہو جاتی ہے کہ اسے نہ فروخت کیا جا سکتا ہے نہ ہی ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ (دیکھیں: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، پاکستان، پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان، ج ۳، ص ۱۳۸۔

17ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد البصری، الطبقات الکبریٰ، ج ۶، ص ۳۰۵۔

18الذھبی، شمس الدین أبو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان (متوفی ۷۴۸ھ)، تحقیق مجموعہ من المحققین باشراف الشیخ شعیب الارناؤوط، مؤسسۃ الرسالۃ، ط/۳ ۱۴۰۵ھ۔ ۱۹۸۵م، ج ۵، ص ۳۲۵۔

19الذھبی، شمس الدین أبو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان، المغنی فی الضعفاء، تحقیق الدکتور نور الدین عتر، ط نامعلوم، رقم الترجمہ ۴۱۳۹، ج ۲، ص ۴۳۶۔

20عسقلانی، أبو الفضل بن علی بن أحمد بن حجر، تھذیب التہذیب، ج ۷، ص ۲۲۶، ۲۲۵۔

21بحوالہ بالا، ج ۱، ص ۴۲۴۔

22ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد البصری، الطبقات الکبریٰ، ج ۷، ص ۲۶۱۔

23الذھبی، محمد بن أحمد بن عثمان، سیئر أعلام النبلا، ج ۶، ص ۱۶۹۔

24بحوالہ بالا۔

25عسقلانی، أبو الفضل بن علی بن أحمد بن حجر (المتوفی ۸۵۲ھ)، تقریب التہذیب، ج ۱، ص ۲۴۱۔

26عثمانی، محمد تقی، علوم القرآن، ص ۴۹۴۔

27ابن ابی حاتم، محمد عبد الرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی (المتوفی ۳۲۷ھ)، دار احیاء التراث العربی۔ بیروت، ط/۱ ۱۲۷۱ھ۔ ۱۹۵۲م، رقم الترجمہ ۲۰۵۴، ج ۱، ص ۴۵۴۔

[28] الذھبی، سیر اعلام النبلاء۔ج۹، ص۲۴۸۔

[29] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج٦، ص۳۴۱۔

[30] الذهبی، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن أحمد بن عثمان، سیئر أعلام النبلا، ج۹، ص۲۴۸۔

[31] الذھبی، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان، میزان الاعتدال، تحقیق علی محمد معوض وعادل احمد عبدالموجود، ط نامعلوم، ج۳، ص۵۵۸۔

[32] بحوالہ بالا۔

[33] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۵، ص۴۸۴۔

[34] الذھبی، سیئر اعلام النبلاء، ج۸، ص۳۴۹۔

[35] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۵، ص۴۸۴۔

[36] الذہبی، سیئر اعلام النبلاء، ج۸، ص۳۴۹۔

[37] الذہبی، تہذیب التہذیب، ج٦، ص۱۷۸، ۱۷۷۔

[38] الذھبی، تقریب التہذیب، رقم الترجمہ ۹۴۱، ج۱، ص۴۸۰۔